امام ابواسحاق شاطبی

مسلمان قانون دانوں کے فکری ارتقا پر جو مسلمان فقہا خاص طور پر اثرانداز ہوئے ہیں، ان میں اندلس کے مالکی فقیہ امام ابواسحاق شاطبی بہت نمایاں ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اسلامی قانون کے تصورِ جدید کی تشکیل میں آپ کے قانونی فکر نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

امام شاطبی کا پورا نام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد اللخمی الشاطبی ہے۔ شاطبہ سے ان کی نسبت کی وجہ سے چند مستشرقین کو یہ مغالطہ ہوا ہے کہ وہ شاطبہ میں پیدا ہوئے تھے یا شاطبہ سے ہجرت کر کے غرناطہ آئے تھے۔ یہ صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ شاطبہ بہت عرصہ پہلے عیسائیوں کے قبضے میں آچکا تھا اور تاریخ نگاروں کے قول کے مطابق ۶۴۵ھ میں شاطبہ سے آخری مسلمان خاندان بھی رخصت ہو چکا تھا

امام شاطبی کی زندگی کا تمام عرصہ غرناطہ میں گزرا۔ یہ آٹھویں صدی ہجری کا غرناطہ تھا۔ جب مسلمانوں کے عروج کا سورج اندلس میں اپنی آخری ضیا پاشیاں کر رہا تھا۔ یہ سلطان محمد الغنی باللہ کا دور تھا جو غرناطہ کی تاریخ کا شاندار عہد ہے۔ الحمرا کے محلات میں مشہور زمانہ محل جو شیروں کے محل کے نام سے مشہور ہے اس دور میں تعمیر ہوا۔ سلطان کی کامیاب سیاست سے جہاں ایک طرف عیسائیوں کی جانب سے خطرہ کم ہو چکا تھا وہاں اندرونی طور پر بھی خانہ جنگیوں، سازشوں اور آپس کی ریشہ دوانیوں سے کچھ دیر کے لیے نجات مل ہوئی تھی۔ سلطان کی علم دوستی کی وجہ سے تمام اسلامی دنیا اور خاص طور پر افریقہ کے علما غرناطہ میں کھنچے چلے آرہے تھے۔ ان میں ابن خلدون جیسی نامور شخصیتوں کے نام بھی آتے ہیں۔ ابن خلدون شاطبی کے ہم عصر تھے اور غرناطہ میں تقریباً دو سال سلطان الغنی باللہ کے دربار سے وابستہ رہے۔

شاطبی کو اس دور کے ماہرِ فن علما سے استفادہ کا موقع ملا۔ ان کے اساتذہ میں ایک ابن الفخار الالبیری تھے، جو شیخ النحاۃ کے نام سے مشہور تھے۔ دوسرے ابوالقاسم شریف البستی تھے، جو علمِ لغت کے امام تھے۔ ان کے علاوہ ابوسعید ابن لب، ابومنصور الزواوی، ابوعبداللہ المقری (اندلس کی مایہ ناز تاریخ نفح الطیب کے مصنف)، اور دوسرے علما بھی شامل ہیں۔

اندلس میں ہمیشہ علم فقہ کو نفع بخش علم سمجھا جاتا تھا لیکن اصول فقہ میں بہت کم دلچسپی لی جاتی تھی۔ امام شاطبی نے ابتدا ہی سے اصول فقہ میں اپنا شغف ظاہر کیا۔ اس کی وجہ جیسا کہ خود ان کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے، یہ تھی کہ ان کے زمانے میں بہت سی اہم معاشرتی تبدیلیاں ظہور پذیر ہو رہی تھیں۔ مالکی فقہ جسے روایت پرست فقہا نے جامد بنا رکھا تھا ان حالات میں رہنمائی سے قاصر تھی۔ فقہا کی فلسفہ اور اصولِ قانون سے عدم دلچسپی کی وجہ سے کوئی ایسا طریق کار اور اصول سامنے نہیں آرہا تھا جو اسلامی قانون کی بنیادوں کو نقصان پہنچائے بغیر اور اس کی وحدت پر اثر انداز ہوئے بغیر ان نئے حالات کا مقابلہ کر سکتا۔ فقہا باہمی اختلافات کا شکار تھے۔ وہ ان اختلافات کو اصولی حیثیت دے کر اس سے فقہی جواز مہیا کرتے تھے۔ یہ بات شاطبی کے لیے بے حد پریشان کن تھی کہ قانونِ اسلامی، جس کی اصل ایک ہے، تضادات کا شکار ہو جائے اور ان تمام متضاد بیانات کو شرعی جواز حاصل ہو۔ ان مشکلات کا حل اصولِ فقہ ہی میں مل سکتا تھا کیونکہ قانونِ اسلامی اس وقت تک اپنی روح سے محروم اور بے جان رہتا ہے جب تک اسے اس کی فلسفیانہ اور نظریاتی بنیادیں فراہم نہیں کی جاتیں۔ امام شاطبی نے از سر نو فقہ اسلامی کا مطالعہ کیا اور اس کے قرآنی اور سنتِ نبوی کے مصادر اور اصول پر غور کیا اور اس طرح وہ شریعتِ اسلامیہ کے مقاصد اور اسرار معلوم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یوں نظریہ قانونِ اسلامی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ ان تمام مباحث کو انھوں نے اپنی دو کتابوں میں یکجا کیا ہے۔ ایک الموافقات ہے، جو چار ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس میں مقاصدِ شریعہ پوری تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ دوسرے الاعتصام ہے جس میں بدعت کی تشریح پوری شرح وبسط سے کی گئی ہے۔

ان کتابوں کی تصنیف میں امام شاطبی نے محض سابقہ کتابوں کے مطالعے اور تجزیہ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فتاویٰ کے سلسلے میں اپنے تجربے سے بھی کام لیا ہے۔ مزید براں اپنے ہم عصر علما و فقہا سے ان اہم مسائل پر خط و کتابت بھی کی۔ طریقہ یہ تھا کہ اس عہد میں جو پیچیدہ مسائل درپیش تھے ان کو اصولِ فقہ کی زبان میں آپ سوال نامہ کی صورت میں پیش کرتے اور اندلس اور شمالی افریقہ کے تمام نامور فقہا کو بھجواتے۔ اس سے جہاں کئی مسائل کی وضاحت ہوئی وہاں امام شاطبی کو بہت سی دقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ امام شاطبی قرآن و سنت اور مقاصد شریعہ سے رہنمائی حاصل کرتے تھے مگر فقہا عموماً متداول روایات کا سہارا لیتے تھے۔ اس طرح ان سے تصادم ہونا لازمی تھا۔ امام شاطبی نے بہت سے ایسے رسم و رواج کی مخالفت میں قلم اٹھایا جن کو وہ خلاف قرآن و سنت بلکہ بدعت سمجھتے تھے۔ اس پر ان کی سخت مخالفت ہوئی۔

متنازعہ مسائل زیادہ تر تصوف سے تعلق رکھتے تھے یا سیاسی نوعیت کے تھے۔ ان میں سے ایک نماز کے بعد بآوازِ بلند دعا کا مسئلہ تھا۔ خطبہ کے دوران سلطانِ وقت کا نام لینا اس کے اقتدار کے جواز اور اس علاقے کی طرف سے اطاعت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ الموحدین کے دَور میں اندلس میں یہ اضافہ ہوا کہ ہر نماز کے بعد سلطانِ وقت کے لیے دعا کی جاتی تھی۔ شروع شروع میں اس کی مخالفت ہوئی لیکن پھر اس کا باقاعدہ رواج ہو گیا اور اسے عبادت کا جز و سمجھا جانے لگا۔ امام شاطبی نے اسے بدعت قرار دیتے ہوئے نہ صرف خود اس کی مخالفت کی بلکہ دوسرے فقہا سے بھی اس سوال پر خط و کتابت کی۔ چونکہ اس مسئلے کی نوعیت سیاسی بن چکی تھی اس لیے ان تمام فقہا نے جو قاضی اور مفتی کی حیثیت سے اپنے مفادات اس سے وابستہ کیے ہوئے تھے۔ امام شاطبی سے شدید مخالفت کی۔ یہ اور اس طرح کے کئی مسائل تھے جن کی وجہ سے امام شاطبی پر مختلف قسم کے الزامات لگائے گئے۔ انھیں "بدعتی" اور "تارکِ سنت" کہا گیا۔

اگرچہ تاریخی طور پر اس سلسلے میں وضاحت نہیں ملتی لیکن امام شاطبی کے اپنے بیانات سے مترشح ہوتا ہے کہ انھیں اس سلسلے میں شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے خلاف تفتیش اور محکمانہ

کارستانیاں بھی ہوئیں ۔ اسی ابتلا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انھوں نے یہ شعر کہے تھے

اے قوم تو نے مجھے امتحان میں ڈالا

اور امتحان بڑے بڑوں کو ہلا دیتے ہیں

تو نے اسے ایسے گرداب میں مبتلا کیا، جس میں وہ بُری طرح چکرا گیا

ایسا لگتا تھا کہ اس کا نام و نشان تک مٹ جائے گا

تو نے مجھے اس لیے مصائب کا نشانہ بنایا ۔

کہ میں مفاسد کو دور کرنا چاہتا تھا

اور مصالح کو عام کرنا چاہتا تھا

بہرحال خدا ہر حال میں میرے لیے کافی تھا

اس نے میرے فکر کی بھی حفاظت کی اور میرے دین کی بھی

امام شاطبی نے تو بدعت کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا تھا لیکن خود انھی پر بدعت کا الزام لگایا گیا ۔ اس لیے انھوں نے ضروری سمجھا کہ بدعت کے تصور کی تعریف اور تشریح ایسے انداز میں کی جائے کہ اس کا یہ ابہام دور ہو جائے جس سے موقع پرست اور بدعت نواز لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ انھوں نے شریعتِ اسلامیہ کے فلسفے کی تشکیل پر کام شروع کیا اور اس فلسفے کو نظریہ مقاصد شریعہ کے نام سے الموافقات میں تفصیل سے پیش کیا ۔ انھوں نے بدعت کے مفہوم کا بھی تجزیہ کیا جس کی تفصیلات الاعتصام میں ملتی ہیں ۔

نظریہ مقاصد شریعہ کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں ہر جگہ رہنمائی کی ضرورت ہے ۔ انسانی ضروریات میں سے بعض ایسی ہیں جو انفرادی ہیں اور ان کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے ۔ ان ضروریات کے بارے میں انسانی رہنمائی انسان کی جبلت اور اس کے بدنی تقاضوں کی صورت میں رکھ دی گئی ہے لیکن انسان اجتماعی زندگی گزارتا ہے لہذا اس کی معاشرتی حیثیت کے لیے بھی رہنمائی کی ضرورت ہے ۔ یہ رہنمائی اس لیے بھی ضروری ہے کہ اکثر انفرادی مفادات آپس میں ٹکراتے

ہیں اور اس سے اجتماعی مفادات کے مجروح ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس سے بچنے کے لیے انسانی معاشرے اپنے تجربات کی بنیاد پر رواجات بناتے ہیں جو یہ طے کرتے ہیں کہ کون سی چیز اچھی ہے کون سی بری۔ لیکن اس سلسلے میں مسئلہ یہ درپیش آتا ہے کہ ایک تو دنیا میں کوئی بھی چیز نہ مطلقاً اچھی ہے نہ مطلقاً بری۔ جس چیز میں اچھائی کے پہلو زیادہ ہوتے ہیں، اسے اچھا کہا جاتا ہے اور جس میں برائی کے پہلو زیادہ ہوں اُسے برا۔ امام شاطبی کے نزدیک یہ معاشرتی تجربہ اور علم بھی درحقیقت اس علم پر مبنی ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے عطا فرمایا ہے۔ چونکہ دنیا میں ہر چیز انسان کے فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہے، اس لیے فطرت کے قانون اور معاشرتی قانون میں ہم آہنگی ہے۔ مختلف شریعتیں جو انسان کی رہنمائی کے لیے نازل کی گئیں ان سب کا مقصد ومنشا مصالح کا حصول اور ان کی حفاظت ہے۔

انسانی مصالح جو شریعتِ خداوندی کے پیشِ نظر ہیں، ان میں اس دنیا کے مصالح بھی ہیں اور آخرت کے بھی۔ آخرت کے بارے میں چونکہ انسان کا معاشرتی تجربہ کسی طرح بھی رہنمائی نہیں کرتا اس لیے ان کی بنیاد کلیتہً وحی پر ہے۔

مصلحتیں دو طرح کی ہیں۔ ایک تو وہ جو انسانی مفادات کی براہِ راست حفاظت کرتی ہیں یا ان کی نشوونما میں مدد دیتی ہیں۔ دوسری وہ جو ان مفادات کے حصول میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرتی ہیں۔ دوسری قسم کی مثال قانونی سزائیں ہیں جو اپنی ذات سے مصالح نہیں ہیں لیکن چونکہ وہ ان اسباب وعوامل کو ختم کرتی ہیں جن سے مصالح کی حفاظت اور استحکام پر اثر پڑتا ہے اس لیے بالواسطہ وہ بھی مصالح میں شمار ہوتی ہیں۔

شاطبی نے پانچ چیزوں کی حفاظت کو بنیادی مصلحتوں میں شمار کیا ہے وہ ہیں دین، نفس، عقل مال اور نسل۔ ان کی بنیادی حیثیت ہے۔ باقی یا تو ان کو مکمل کرتی ہیں یا ان کی حفاظت کو بہتر بناتی ہیں۔

شاطبی کے نزدیک تمام شرائع اور شریعت اسلامیہ کے تمام اصول وماخذ کا مقصد الٰہی مصالح کی حفاظت ہے۔ ان کی حفاظت ابدی اصول ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی لیکن ان کی تعریف اور توضیح کے سلسلے میں دقت پیش آ سکتی ہے۔ اس سلسلے میں شاطبی وضاحت کرتے ہیں کہ چونکہ معاشرتی

حالات بدلتے رہتے ہیں اس لیے دنیوی مصالح کے مفہوم میں تبدیلی ہو سکتی ہے لیکن وہ مصالح جن کا تعلق آخرت سے ہے ان میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ چنانچہ وہ مصالح جن کا تعلق "حفاظتِ دین" سے ہے وہ اُخروی مصالح میں شمار ہوں گی۔ لہٰذا جہاں تک باقی چار مصالح یعنی نفس، عقل، مال اور نسل کی حفاظت کا تعلق ہے حالات و زمانہ کی رعایت سے ان کے مفہوم میں تبدیلی کا امکان ہے لیکن "دین" میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں۔

اس توضیح کے ساتھ شاطبی "بدعت" کے تصور کی تشریح کرتے ہیں کہ ہر "تبدیلی" اور ہر نئی چیز کو "بدعت" نہیں کہا جا سکتا۔ امام شاطبی کے نزدیک "بدعت" "لغوی" اور دینی طور پر قابل مذمت شے کو کہتے ہیں۔ بہت سی ایسی نئی اشیا ہیں جو رسول اللہؐ کے دور کے بعد پیش آئیں لیکن انھیں کسی طرح بھی قابلِ مذمت نہیں کہا جا سکتا۔ امام شاطبی بعض فقہا کی ان کوششوں پر گرفت کرتے ہیں جنھوں نے بدعت کو اچھی اور بُری قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ امام شاطبی کے خیال میں "بدعت" کبھی اچھی نہیں ہو سکتی۔ ان کے ہاں بدعت صرف ان نئی چیزوں، اضافوں یا نئے طور طریقوں کو کہا جا سکتا ہے جو دین میں داخل کیے جائیں اور انھیں دین کا جزو سمجھا جائے۔ ان کے علاوہ کسی نئی چیز کو بدعت نہیں کہا جا سکتا۔

اس وضاحت کی بنیاد اس امر پر ہے کہ شاطبی کے نزدیک قانون سازی کا حق محض اللہ تعالیٰ کو ہے، کسی انسان کو نہیں۔ خصوصاً وحی کا سلسلہ بند ہونے کے بعد کوئی انسان کسی بھی حیثیت سے یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا تصور ایک میکانکی خدا کا تصور نہیں بلکہ وہ فعال اور رحمتِ محض ہے اور انسانی مصالح کا محافظ ہے اس لیے وہ معاشرتی تغیرات کے ذریعے اپنی مشیت کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ ایسے امور جن میں انسانی مفادات کی تعریف معاشرتی تجربات کی بنا پر ہو سکتی ہے ان کا معاملہ انسان کے معاشرتی تجربے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ تاہم اس سلسلے میں بنیادی اصول شریعتِ حقہ میں موجود ہیں جو اساسی رہنمائی فراہم کرتے ہیں لیکن ایسے امور جن میں انسانی مفادات کی تعریف و توجیہ معاشرتی تجربات سے نہیں ہو سکتی وہ خالصتاً اخروی امور ہیں ان میں نہ تبدیلی کی ضرورت ہے

امکان۔ اس لیے کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان میں تبدیلی یا اضافہ کرے اور اُسے عبادت اور دینی فریضہ کا درجہ دے۔

آج ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ شریعت اسلامیہ کے الٰہی حقائق و اسرار کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم اسلامی قانون کی اصلی روح سے دور ہو گئے ہیں۔

امام شاطبی کی تاریخ ولادت اور دوسرے حالاتِ زندگی کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتیں۔ تاہم ان کی تاریخ وفات ضرور متعین طور پر معلوم ہے۔ آپ نے ۸ شعبان ۷۹۰ھ میں غرناطہ میں وفات پائی۔

آپ کے شاگردوں کی فہرست طویل نہیں ہے تاہم ان میں دو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ایک ابنِ زمرک، جو سلطان محمد الغنی باللہ کے ملک الشعراء تھے اور ان کے اشعار الحمرا کی محرابوں میں کئی جگہ درج ہیں۔ مشہور ادیب لسان الدین ابن الخطاب کے بعد، جو سلطان غنی باللہ کے وزیر بھی تھے۔ ابنِ زمرک وزیر کے عہدے پر فائز ہوئے۔

شاطبی کے دوسرے مشہور شاگرد ابوبکر ابن عاصم ہیں جو غرناطہ کے قاضی القضاۃ تھے، ان کی کتاب "تحفۃ الحکام" بہت اہم اور مشہور ہے اور عرصہ تک غرناطہ کی عدالتوں میں ضابطے کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہے یہ آج بھی مالکی فقہ کی نہایت اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ ابنِ عاصم نے شاطبی کی الموافقات کا خلاصہ بھی لکھا۔

امام شاطبی کی تصنیفات یا تو عربی زبان کے قواعد کے بارے میں ہیں یا اصولِ فقہ اور حدیث کے بارے میں۔ ذیل میں ان کی فہرست دی جاتی ہے:

۱۔ شرح علی الخلاصۃ فی النحو (ابن مالک کی الفیہ کی شرح)

۲۔ الاتفاق فی علم الاشتقاق ۳۔ اصول النحو

۴۔ کتاب المجالس (صحیح بخاری کی کتاب البیوع کی شرح)

۵۔ الافادات والانشادات

۶۔ الموافقات ۔ اس کتاب کے پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۷۔ الاعتصام